بیمہ کی شرعی حیثیت

تحقیق : محمد شکیل خان

انشورنس خواہ مال کا ہو یا جان کا ناجائز اور حرام ہے۔ اس میں سود بھی ہوتا ہے اور قمار بھی اور رشوت، مثلاً مال کے بیمہ میں جو معاوضہ بیمہ کمپنی دیتی ہے وہ معاوضہ کسی مال کا نہیں ہوتا بلکہ اس رقم کا ہوتا ہے، جو بیمہ کرانے والے اس کو سالانہ ادا کرتے رہتے ہیں۔ ورنہ مال سے تو اس کمپنی کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ یہ نفع بالکل بخت و اتفاق پر مبنی ہے اور اس کا نام میسر یا قمار و جوا ہے۔ اور یہ سود اس طرح ہے کہ بیمہ کمپنی نقصان کا جو معاوضہ دیتی ہے وہ رقم یا تو اس رقم سے زیادہ ہو گی جو اس کو بیمہ کرانے والوں سے ملی ہے یا اس سے کم دونوں صورتوں میں کسی نہ کسی فریق کا نقصان ہو گا اور کسی نہ کسی کا فائدہ۔ اور اسی کا نام سود ہے کہ ایک کا فائدہ یا نقصان متعین ہو اور دوسرے کا غیر متعین اسی طرح جان کا بیمہ سود ہونے کے ساتھ رشوت بھی ہے کیونکہ جان اسلام کے نزدیک مال متقوم نہیں ہے۔ یعنی وہ عوض یا خرید و فروخت کے بدلہ میں استعمال نہیں کی جا سکتی۔ اور معاملات میں دونوں طرف ایسی چیزوں کا ہونا ضروری ہے جو عوض بن سکیں اور رشوت کی یہی تعریف ہے کہ رشوت کسی مال متقوم کے عوض کے بغیر دی جاتی ہے۔ مگر اس وقت ساری دنیا میں بیمہ کا رواج ہے۔ اس لئے اس کی مزید تفصیل کی جاتی ہے۔ اور یہ تفصیل ڈاکٹر نور محمد غفاری صاحب کے مضمون اور مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم کے مضمون بیمہ زندگی کی شرعی حیثیت سے ماخوذ ہے۔ بیمہ میں ربو یعنی سودی لین دین بھی ہوتا ہے اور اس میں قمار یعنی جوا بھی ہوتا ہے اور غرر یعنی دھوکہ بھی ہوتا ہے اور اس پر رشوت کی تعریف بھی صادق آتی ہے۔ انشورنس کا تازہ ترین مفہوم ایسی ضمانت ہے، جو لوگوں کا ایسا گروہ ہے جن میں سے ہر ایک خطرہ میں ہوتا ہے، جس کے اثرات خطرہ کے واقع ہونے سے پہلے جانچا نہیں جا سکتا۔ ایسا خطرہ جب بھی واقع ہوتا ہے تو اس کے اثرات کو اس کے گروہ کے تمام افراد پر تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ (۱)

ربو یعنی سود:

موجودہ انشورنس کے نظام کی سب سے بنیادی خرابی یہ ہے کہ اس کا سارا تانا بانا سود

۱۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ایڈیشن گیارہ، ج ۱۴، ص ۱۵۶۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ : تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں

سے بنتا ہے۔ انشورنس میں سود دو صورتوں سے داخل ہوتا ہے۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔ (۱)

بیمہ کی شرائط:

بیمہ پالیسی کو اختیار کرنے کے لئے مستامن کو کمپنی کی شرائط کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ چند شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کمپنی بیمہ دار کو متواتر دو سال تک قسط ادا کرنے پر اس بات کا اہل سمجھا جاتا ہے کہ وہ کمپنی سے اپنی جمع شدہ رقم کے مقابل کم شرح پر سود لے سکتا ہے۔

۲۔ اگر کوئی بیمہ دار سود نہ لینا چاہے تو کمپنی اسے سود لینے پر مجبور نہیں کرتی۔ البتہ اس کی رقم جو اقساط سے جمع ہوتی ہے، سودی کاروبار میں ضرور لگاتی ہے اور معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر اصل رقم واپس کر دیتی ہے۔

۳۔ بیمہ پالیسی خریدنے والا ایک معینہ رقم کمپنی کو بالاقساط ادا کرتا ہے۔ جسے "پریمیم" کہتے ہیں۔

اگر مستامن کسی مجبوری کی بناء پر یا مال نہ ہونے کی وجہ سے یا اپنی مرضی سے چند اقساط کے بعد معاہدہ ختم کر دیتا ہے اور باقی اقساط ادا نہیں کرتا تو اس کی جمع شدہ رقم سوخت ہو جاتی ہے۔ وہ رقم اسے واپس نہیں ملتی۔ البتہ کمپنی اسے یہ رعایت ضرور دیتی ہے کہ اگر وہ شخص دوبارہ چاہے تو درمیانی اقساط ادا کر کے اپنی پالیسی کو جاری رکھ سکتا ہے یا نئے سرے سے معاہدہ کرے تو اس صورت میں مذکورہ شخص معاہدہ پورا ہونے پر اپنی رقم کا حقدار سمجھا جاتا ہے اور واپس لے سکتا ہے۔ بیمہ کمپنی کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ اگر کوئی مستامن تین سال تک مسلسل اقساط ادا کرتا ہے، پھر اقساط بند کر دیتا ہے۔ اب اگر وہ رقم کا مطالبہ کرے تو اسے تھوڑی سی رقم مل سکتی ہے، ساری نہیں۔ (۲)

انشورنس کی ضرورت و اہمیت:

ہم یہاں ان دلائل کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو کاروبار انشورنس کے وکلاء گاہے بگاہے دوہراتے رہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مانی الاسلام، ج ۲، ص ۳۶۹۔ باب دوازدہم۔

۲۔ مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

۱۔ احساس تحفظ اور اس کی تلاش انسانی فطرت کا خاصہ ہے، ہر انسان جانتا ہے کہ اس کا مستقبل محفوظ ہو۔ دنیا جائے عبرت ہے۔ یہاں روزانہ ان گنت ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں، جو انسان کو چونکا دیتے ہیں۔ غیر متوقع حالات اور ناخوشگوار واقعات کے مقابلہ میں ابن آدم کی بے بسی کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے، جتنی خود حضرت انسان کی۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے کہ یہ مستقبل کے حالات اور ایسے واقعات کے متعلق بالکل بے خبر ہے، جو اس کی زندگی میں انقلاب بپا کر دیتے ہیں۔ قرآنِ مجید نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے:

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَکْسِبُ غَدًا

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ (۱)

ترجمہ: کوئی نفس یہ نہیں جانتا کہ کل اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آنے کو ہے اور نہ ہی کسی نفس کو یہ خبر ہے کہ اسے کس سرزمین پر موت آئے گی۔

مگر یہ مٹی کا بنا ہوا کمزور انسان اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں مستقبل کے خطرات سے تحفظ اور بچاؤ کی کوشش کرتا رہتا ہے، جس میں اُسے کامیابی یا ناکامی دونوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ انشورنس کمپنیوں کا وجود اسی انسانی فطرت کا جواب ہے۔

۲۔ ایسا غریب یا متوسط شخص جو کثیر العیال ہو، اگر ناگہانی طریقہ پر وفات پا جائے تو اس کے پسماندگان سخت مالی پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چونکہ ایسا شخص کثیر المال نہیں ہوتا کہ وہ کثیر مقدار میں وراثت چھوڑ جائے۔ جو اس کے ورثاء کی کفالت کے لئے کافی ہو۔ اس طرح ایسے شخص کی اولاد کو بیمہ کمپنی کے ذریعہ سہارا مل جاتا ہے اور ان کی تعلیم وغیرہ کا سلسلہ بھی منقطع نہیں ہوتا۔ بصورتِ دیگر جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں ان کا تجربہ ہو۔

۳۔ اولاد کے ناہنجار ہونے کی صورت میں بیمہ دار والدین کو پیرانہ سالی کے دکھوں میں کچھ سہارا محسوس ہوتا ہے۔

۴۔ بعض ممالک جہاں مسلم غیر مسلموں کے ساتھ رہتے ہیں، وہاں مذہب اور نظریہ کے نام پر بلوے اور ہنگامے، جو گھیراؤ اور جلاؤ تک پہنچ جاتے ہیں۔ روزانہ کا معمول بن چکے ہیں اور

۱۔ سورۂ لقمان، آیت ۳۴۔

جن کا نتیجہ لاکھوں کی جائیداد کا راکھ کا ڈھیر بننے کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ ایسے ممالک میں مسلمان اگر اپنی جائیداد کا بیمہ کرالیں تو مفید ہوگا۔

۵۔ سائنسی ایجادات کا فروغ اپنی بہت سی برکات کے جلو میں بہت سے مفاسد بھی لے کر آیا ہے۔ اس تیز رفتاری کے دور میں حادثات روزانہ کا معمول بن چکے ہیں، جو اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ آج سے چالیس سال قبل ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایسے حالات میں اگر اپنی جائیداد کا بیمہ کرایا جائے تو نقصانات جو کسی بھی خوشحال آدمی کو قلاش بنا کر چھوڑ دیتے ہیں، کی تلافی ہو جاتی ہے۔(۱)

۶۔ والدین اپنی اولاد اور خاوند اپنی بیوی کے لئے بیمہ پالیسی خرید کر انہیں ناخوشگوار حالات میں سہارا فراہم کر سکتے ہیں۔

۷۔ انشورنس معاشرتی زندگی میں تعاون و تکافل کا وجود میں لاتا ہے، جو شریعت اسلامیہ کا مقصود بھی ہے۔

انشورنس کی مشہور اقسام

یوں تو انشورنس کی متعدد اقسام ہیں، جن میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اس وقت دنیا کے مختلف ممالک میں بیمہ کی جو مشہور مروجہ اقسام ہیں ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بیمۂ زندگی ۲۔ سمندری بیمہ ۳۔ ذمہ داریوں کا بیمہ
۴۔ ضمانت کا بیمہ ۵۔ چوری کا بیمہ ۶۔ املاک اور جائیداد کا بیمہ
۷۔ فضائی بیمہ ۸۔ قرض کا بیمہ ۹۔ صحت کا بیمہ
۱۰۔ خطاب کا بیمہ ۱۱۔ بڑھاپے کا بیمہ ۱۲۔ دستاویزات کا بیمہ
۱۳۔ اعضاء کا بیمہ ۱۴۔ اجتماعی انشورنس ۱۵۔ گروپ انشورنس انفرادی
۱۶۔ تبادلی انشورنس وغیرہا

انشورنس کی جملہ اقسام بیمہ کے اصول ایک جیسے ہیں البتہ ان تمام اقسام کی تفصیل ہمارا موضوع نہیں۔ انشورنس کی مذکورہ اقسام میں سے دو قسمیں اجتماعی انشورنس اور تبادلی انشورنس ایسی

۱۔ الدکتور حسین حامد حسان، حکم الشریعۃ الاسلامیہ فی عقود التامین: قاہرہ ۱۹۶۹ء، ص ۸۰۔۸۱۔

ہیں، جو شریعت مطہرہ کی رو سے جائز ہیں۔ ان دونوں قسموں کا مختصر تعارف اس مقالہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔ (۱)

انشورنس شریعت مطہرہ کی روشنی میں:

موجودہ نظام انشورنس کے بیان کردہ اغراض و مقاصد کے پیش نظر تو یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ ایک سودمند اسکیم ہے، جس میں کم از کم بیمہ دار کے دکھوں کا مداوا ضرور ہو جاتا ہے۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام میں انشورنس اپنی موجودہ شکل و صورت اور شرائط کے ساتھ جائز ہے؟

تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ انشورنس اپنے بنیادی مقاصد (اعداد باہمی مستقبل کے خطرات سے حفاظت اور نقصان کی صورت میں تلافی) کے ساتھ نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے لیکن انشورنس کی جو موجودہ صورت ہے، جس میں دینی اور دنیاوی دونوں قسم کے مفاسد پائے جاتے ہیں۔ اس کی شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں۔ (۲)

بیمہ کی حرمت:

بیمۂ زندگی میں بھی چونکہ صریح طور پر سود خواری کا مرتکب ہونا لازم آتا ہے۔ اس لئے قطعاً حرام ہے۔ علاوہ ازیں اس معاملہ میں غرر لازم آتا ہے۔ یعنی احد الجانبین کو ہرگز وثوق نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے مفاد کو حاصل کر سکے گا۔ مثلاً زید جو بیمۂ زندگی کی کمپنی میں شریک ہوتا ہے۔ اگر تاریخ داخلہ سے دوسرے دن ہی مر جائے اور کمپنی اپنے قواعد کے مطابق پابند ہوگی کہ زید کے ورثاء کو وہ رقم معینہ جو ڈاکٹر کے سرٹیفکیٹ سے معین تعداد سالوں میں پوری ہونی چاہئے تھی، پوری کر دے۔ گویا کمپنی دھوکہ میں رہی۔ اور اس کو خسارہ اٹھانا پڑا۔ اور اگر کمپنی کا دیوالیہ نکل جائے تو زید کو اپنے روپے سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ اس صورت میں زید کو دھوکہ لگا۔ (۳)

۱۔ منہاج سہ ماہی، ج ۳، شمارہ ۲، اپریل ۱۹۸۵ء

۲۔ منہاج سہ ماہی، ج ۳، رجب المرجب، اپریل ۱۹۸۵ء۔

۳۔ مانی الاسلام، ج ۲، ص ۳۸۷، باب دوازدہم۔

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

موجودہ انشورنس کی خرابیاں:

موجودہ انشورنس کی اسکیم میں سود و قمار وغیرہ کے بے شمار مفاسد پائے جاتے ہیں اور یہ اخلاقی و معاشی اعتبار سے بھی انسانی اخلاق و مروت اور تمدنی زندگی کو سود اور قمار وغیرہ گھن کی طرح چاٹ جاتے ہیں۔ اقبال نے صحیح کہا ہے۔(۱)

سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات

موجودہ انشورنس کے مقاصد و مفاسد:

موجودہ نظام انشورنس میں دینی و دنیوی دونوں قسم کے مفاسد پائے جاتے ہیں، لیکن ان کی الگ الگ تقسیم مشکل ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی ایک مفسدہ اگر شرعی لحاظ سے ناجائز ہے تو وہی مفسدہ دوسری طرف دنیوی لحاظ سے بھی تباہ کن ہے۔ مثلاً موجودہ نظام انشورنس کا ایک نمایاں مفسدہ سود اگر دینی اعتبار سے حرام ہے تو دوسری طرف وہ معاشی تمدن کو بھی گھن کی طرح چاٹ رہا ہے۔ لہٰذا ہم یہاں ان مقاصد کا ذکر کریں گے جن کی حرمت اور تباہ کاری پر علمائے کرام کا اتفاق ہے۔ چند مفاسد یہ ہیں:

(۱) سود (۲) قمار (۳) غیر شرعی شرائط (۴) سٹہ بازی اور دھوکہ دہی وغیرہ۔

سود:

انشورنس کے کاروبار کا ہر حقیقت شناس یہ بخوبی جانتا ہے کہ اس کاروبار میں شریعت کا اصطلاحی معنیٰ ربوا دو صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ دونوں صورتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) انشورنس کمپنی جو سرمایہ مختلف افراد سے اکٹھا کرتی ہے، اسے کاروباری کمپنیوں یا افراد کو سود پر دیتی ہے اور ان سے سود وصول کر کے کچھ بیمہ کمپنی کے مالکان کھا لیتے ہیں اور کچھ بیمہ داروں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

(ب) انشورنس کمپنی بیمہ دار شخص کو مدت مکمل ہونے پر حادثہ وغیرہ کی شکل میں مقررہ مدت سے پہلے ہی وہ رقم ادا کر دیتی ہے، جس پر بیمہ دار کی زندگی یا جائیداد کا بیمہ کیا گیا تھا۔ اب بیمہ کمپنی جو رقم بیمہ دار کو دیتی ہے، اس کی مندرجہ ذیل دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ، ص

(الف) کمپنی مدت بیمہ کی تکمیل کے بعد بیمہ دار کی اصل رقم فرض کیا ۵۰ ہزار روپے واپس کر دیتی ہے۔

(ب) کمپنی بیمہ دار کو اصل رقم سے زائد ادا کرتی ہے، تو یہ ربوٰ بالنسیئہ ہوگا۔ گویا یہاں نقد کی بیع نقد روپے کے ساتھ کی گئی ہے۔ یعنی پچاس ہزار کے عوض میں پچاس ہزار روپے ادا کئے گئے اور تمام فقہائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر نقد یعنی روپے پیسے کی بیع نقد کے ساتھ ادھار پر کی جائے تو یہ ربٰو بالنسیہ ہوگا۔ (۱)

سود حرام ہے:

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لاَ یَقُوْمُوْنَ اِلاَّ کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْآ اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَ اَمْرُهٗ اِلَی اللّٰهِ ط وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (۲)

وہ جو سود کھاتے ہیں۔ قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے، وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا بیع بھی تو سود ہی کی مانند ہے اور اللہ تعالیٰ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔ تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے، جو پہلے گزر چکا اور اس کا کام خدا کے سپرد ہے اور جو اب ایسی حرکت کرے گا تو وہ دوزخی ہے، وہ اس میں مدتوں رہیں گے۔

ان کلمات میں سود کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے۔ فرمایا جیسے آسیب زدہ اور پاگل آدمی عجیب وغریب حرکتیں کرتا ہے، جنہیں دیکھ کر انسان ہنسی ضبط نہیں کر سکتا، اسی طرح یہ سود خور بایں حشمت و جاہ، دولت کی محبت میں یوں مارے مارے پھرتے ہیں، اور اُن سے ایسی نامعقول باتیں اور ناشائستہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں کہ دیکھنے والے کو گمان ہوتا ہے کہ شاید ان پر کسی چیز نے تسلط جما رکھا

۱۔ ڈاکٹر حسین حامد خان، حکم الشریعۃ الاسلامیہ فی عقد التامین، دارالاعتقام، قاہرہ، ۱۹۶۹ء۔

۲۔ سورہ بقرہ: آیت ۲۷۵، ترجمہ کنز الایمان۔

ہے۔ ان کی دنیاوی زندگی بھی یونہی گزرے گی اور قیامت کے روز بھی ان کا یونہی حشر ہوگا۔ افلاطون نے بھی اپنی کتاب ''السیاسۃ'' میں یہی لکھا ہے کہ روپیہ کڑی مرغی ہے جو انڈہ نہیں دیتی۔(۱)

موجودہ دور میں تجارت اور سود کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تاجر لوگ بسا اوقات بینکوں سے قرضے لے کر اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔ اس طرح اپنی حلال کمائی میں حرام کی آمیزش کر لیتے ہیں۔ لہٰذا سود کے متعلق معلومات حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام جو ہمارے ہاں فی الوقت رائج ہے، میں سود ریڑھ کی ہڈی ہے۔ یہ طبقاتی تقسیم کو فروغ دیتا ہے۔ امیر و غریب کے درمیان جو خلیج پہلے سے حائل ہوتی ہے اس کو وسیع سے وسیع تر کرتا چلا جاتا ہے۔ انسان میں خود غرضی، تنگدلی اور شقاوت جیسے اخلاق رذیلہ کی پرورش کرتا ہے اور غریب عوام کے استحصال کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ حکومت بینکوں کی سرپرست ہونے کی بنا پر انہی کے مفادات کا پورا تحفظ کرتی ہے، جس سے بینکوں کو ضرورتمند اور غریب عوام کے خون چوسنے کا پورا پورا موقع میسر آتا جاتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف خداوند تعالیٰ نے درج ذیل آیت اشارہ فرمایا ہے:

مَا اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا۠ فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰہِ (۲)

ترجمہ: جو رقم تم سود پر دیتے ہو، تاکہ وہ لوگوں کے مال میں پھلے پھولے۔ تو یہ مال اللہ تعالیٰ کے ہاں بالکل نہیں پھولتا پھلتا۔

آیت بالا میں ''لیربوا فی اموال الناس'' کس وضاحت سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، انہی خرابیوں کی بناء پر سود کو قطعاً حرام قرار دیا گیا اور اس جرم کا شمار بڑے بڑے ''کبائر'' گناہوں میں ہوتا ہے۔

سود اور بیع میں فرق:

یہاں بیع سے مضاربت ہی مراد ہو سکتی ہے، جس کا سود سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ سود اور مضاربت کا فرق بالکل واضح ہے۔ مضاربت میں فریقین میں اخوت اور ہمدردی کے جذبات ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوتے ہیں۔ جبکہ سود خور کے حصہ میں

۱۔ بقرہ: آیت ۲۷۵۔ ترجمہ ضیاء القرآن۔ ۲۔ سورۃ الروم، آیت: ۳۹۔

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابو عبید) ☆☆☆

محض خودغرضی اور شقاوت آتی ہے اور اسے صرف اپنے مفاد کی فکر ہوتی ہے۔ اُسے دوسرے فریق کے نفع نقصان سے کچھ غرض نہیں ہوتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سود کو ختم کر کے اس کی جگہ لوگوں میں ایثار وجذبہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يَمْحَقُ اللهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقَاتِ (۱)

اللہ تعالیٰ سود کو ختم کرتا ہے اور صدقات کی پرورش کرتا ہے۔

سود صرف شخص واحد کی ہوسِ زر کو پورا کرتا ہے۔ مگر دوسروں کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ لیکن صدقات سے عوام الناس کی فلاح و بہبود مقصود ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ہاں صدقات ہی پسندیدہ ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشادِ خداوندی ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو۔ اگر تم مؤمن ہو۔ سو اگر ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اعلانِ جنگ کر دو اور اگر توبہ کرو تو پھر راٴس المال تو تمہارے لئے ہے ہی۔ یعنی اصل رقم کے تم حقدار ہو۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم ہو۔

آیت مذکورہ کے آخری الفاظ لا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ سودی معاملات کو ختم کرنے کی نہایت احسن صورت ہے کہ سود خوار مقروض سے سود لے کر اس پر ظلم نہ کرے اور مقروض اس سے راٴس المال ہی نہ دبا بیٹھے۔ اور اس طرح وہ ظلم کا مرتکب نہ ہو۔ فریقین کو چاہئے کہ وہ راس المال کو قرض ہی تصور کریں اور مقروض بھی اصل رقم کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔

سود کی حرمت

اتنے سخت احکام کے باوجود ہمارے نام نہاد مسلم معاشرے میں سود دن بدن زور پکڑتا ہے۔ ہماری ذہنیت مدینہ اور خیبر کے ان یہودیوں جیسی ہوگئی ہے، جنہوں نے کہا تھا:

۱۔ سورۃ البقرۃ: آیت ۲۷۶۔ ۲۔ سورۃ البقرۃ: آیت ۲۷۹۔

"اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا"۔ہم بھی سود کو حلال ثابت کرنے کے در پے ہو چکے ہیں۔ ہمارا ایک طبقہ سود کی بعض جزئیات کو حلال کرنے کی مکمل کوشش میں مصروف ہے سوداور سودی کاروبار اس طرح قوم کے رگ وریشے میں سرایت کر گیا ہے کہ ہر ایک اس سے شعوری اور غیر شعوری طور پر متاثر ہو رہا ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جس کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَاْتِيَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰی اَحَدٌ اِلَّا اٰكِلَ الرِّبٰوا فَاِنْ لَّمْ يَاْكُلْهُ اَصَابَهٗ مِنْ بُخَارِهٖ " (وَرُوِیَ مِنْ غُبَارِهٖ) (۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ ہر کوئی سود کھانے والا ہوگا اور اگر سود نہ کھائے تو بھی اس کا بخار اور دوسری روایت میں الفاظ ہیں (اس کا غبار) اسے ضرور پہنچ کر رہے گا۔

آج کے دور میں ایسا ہی ہے۔ اس میں ایک مسلمان اگر نیک نیتی سے۔ سود سے بچنا بھی چاہے تو اس کو کئی مقامات پر الجھنیں پیش آتی ہیں۔ مثلاً آج کل جو شخص بھی کوئی گاڑی، کار، بس، ٹرک وغیرہ خریدے گا، اسے لازماً بیمہ کرانا پڑے گا۔ ہمارے ہاں یہ قانون ہے کہ جب تک گاڑی کا بیمہ نہ کرایا جائے وہ قابل استعمال نہیں ہوسکتی۔

سود بہت بڑا گناہ ہے:

اب سود کے متعلق چند ارشادات نبوی بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ : لَعَنَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَ مُوْكِلَهٗ وَ كَاتِبَهٗ وَ شَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَآءٌ (۲)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا سود لینے والے دینے والے، اس کی دستاویز لکھنے والے اوراس کی گواہی پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب لوگ برابر کے شریک ہیں۔

شراب کی طرح سود بھی تمام متعلقہ آدمیوں کو حرمت کی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور انہیں برابر کے مجرم بنا دیتا ہے۔اس جرم کا اندازہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنئے:

۱۔ ابن ماجہ شریف: باب التغلیظ فی الربا:ص ۱۶۴۔
۲۔ صحیح مسلم شریف: ج ۲، ص ۲۷، باب الربا۔

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الرِّبٰوا سَبْعُوْنَ جُزْئًا اَیْسَرُهَا اَنْ یَّنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود کے اگر ستر حصے کیے جائیں تو اس کا کمزور حصہ بھی "گناہ میں" اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔

ایک مرتبہ یوں فرمایا:

وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَنْظَلَةَ غَسِیْلَ الْمَلاَئِکَةِ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : دِرْهَمُ رِبًا یَاْکُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ یَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَ ثَلٰثِیْنَ زِنْیَةً (۲)

حضرت عبداللہ بن حنظلہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود کا ایک درہم جو کھاتا ہے اور وہ (اس کے سودی ہونے کو) جانتا ہے۔ وہ گناہ میں چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔

لہٰذا ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ نہ صرف خود ہی سود سے بچیں بلکہ اس لعنت کو حتی المقدور اپنے معاشرے سے بھی ختم کرنے کی کوشش کریں۔ پھر سود کی ایک اور شکل بھی ہے یعنی ہاتھوں ہاتھ لین دین میں کمی بیشی کرنا۔ مثلاً ریز گاری، دینے والا یا کسی کرنسی کو تبدیل کرنے والے۔ یہ لوگ بازار کی مقررہ قیمت سے کم دیتے ہیں اور لینا ہو تو زیادہ لیتے ہیں۔ بینک بھی یہ کام کرتے ہیں۔ بسا اوقات لوگ اپنے مقروض سے کسی نہ کسی طرح انتفاع کی صورت پیدا کر لیتے ہیں چونکہ یہ سب سود کے چور دروازے ہیں، ان سب صورتوں کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے۔

اب ربا الفضل کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ : جَاءَ بَلاَلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِتَمَرٍ بَرْنِیٍّ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : مِنْ اَیْنَ هٰذَا قَالَ عِنْدَنَا تَمَرٌ رَدِیٌّ فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَیْنِ بِصَاعٍ : قَالَ : اَوَّهْ عَیْنَ الرِّبٰوا عَیْنَ الرِّبٰوا لاَ تَفْعَلْ وَلٰکِنْ اِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَشْتَرِیَ فَبِعِ التَّمَرَ

۱۔ امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳، سنن ابن ماجہ، ص ۱۶۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت، کراچی

۲۔ مسند امام احمد بن حنبل، مطبع المکتب الاسلامی، دارالفکر، ج ۵، ص ۲۲۵۔

۳۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الربا، فصل الثالث، ص ۲۴۵۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ : ☆ قانونِ شریعت ہی کا دوسرا نام فقہِ اسلامی ہے ☆

بِبَیْعٍ اٰخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِهٖ (۱)

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس برنی کھجور لائے۔ آپ نے فرمایا: کہاں سے لائے۔ کہا ہمارے پاس ناکارہ کھجوریں تھیں تو میں نے ایک صاع کے بدلے دو صاع کے حساب سے بیچ دیں۔ آپ نے فرمایا: وہ خالص سود خالص سود! ایسا مت کرو۔ ہاں جب ایسا ارادہ ہو تو اپنی کھجور الگ بیچو۔ اور دوسرے سودے سے خرید لو۔

دوسرا واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ شَرَی التَّمَرَ بِالرُّطَبِ فَقَالَ اَیَنْتَقِصُ الرُّطَبُ اِذَا یَبِسَ فَقَالَ نَعَمْ فَنَهَاهُ عَنْ ذٰلِکَ (۲)

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تازہ کھجور کے عوض خشک کھجور خریدنے کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کیا تازہ کھجور خشک ہو کر کم ہو جاتی ہے۔ کہا "ہاں۔" پس آپ نے اس سے منع فرمایا۔

ربا الفضل کے متعلق عام حکم یوں ارشاد فرمایا:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ یَدًا بِیَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰی اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِیْ فِیْهِ سَوَاءٌ (۱)

ترجمہ: "حضرت ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے عوض، گندم گندم کے، جو جو کے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے۔ ایک ہی جیسے اور دست بدست خرید و فروخت جائز ہے۔ پس جس نے زیادہ لیا یا زیادہ کا مطالبہ کیا، اس نے سود کھایا۔ لینے والا اور دینے والا دونوں (گناہ میں) برابر کے شریک ہیں۔"

اس حدیث مبارکہ میں چھ اجناس شمار کی گئی ہیں۔ سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور، نمک۔ اگر ان کی برابر برابر دست بدست سودا بازی کی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسے تبادلہ کی ضرورت کیا ہے؟

۱۔ مسلم شریف، ج ۲، باب الربا، ص ۲۶۔

۲۔ ابو داؤد شریف: ج ۲، باب فی التمر بالتمر، ص ۱۲۱۔

ظاہر ہے کہ چیزوں کے تبادلہ کی ضرورت اسی صورت میں پیش آ سکتی ہے جبکہ ایک جنس قدرے ناقص ہو اور دوسری نسبتاً بہتر ہو۔ جیسے حضرت بلالؓ نے تبادلہ کیا۔ لیکن آپ نے انہیں منع فرما دیا۔ دراصل شریعت ہم سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اگر اپنے بھائی سے اتنا ایثار کر سکو کہ اس کو ناقص چیز کے عوض اتنی ہی مقدار میں اچھی چیز دے دو تو بہت خوب ہے اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو دونوں جنسوں کی قیمت بازار کے موجودہ نرخوں کے حساب سے متعین کرو۔ پھر اسی حساب سے آپس میں تبادلہ کر لو۔ ایک کو بیچ کر دوسری خرید لو۔ براہِ راست تبادلہ میں ''زیادہ ستانی'' کی ہوس پرورش پاتی ہے۔ جو بالآخر سود کے دروازوں تک لے جاتی ہے اور اسلام کا یہ طریقہ ہے کہ جس چیز کو حرام قرار دیتا ہے اس کے چور دروازوں پر بھی پہرے بٹھا دیتا ہے تاکہ کہیں سے بھی اندر داخل ہونے کی گنجائش نہ رہے۔

مقروض سے ہدیہ وصول کرنا بھی اس ضمن میں آتا ہے۔ الا یہ کہ مقروض اور قرض خواہ کے درمیان پہلے سے بھی ایسے ہدیہ کے تبادلہ کے تعلقات موجود ہوں۔ ارشادِ نبوی ہے:

عَنْ اَنَسٍ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا یَاْخُذْ ھَدِیَّۃً (۱)

سود در سود بھی حرام ہے:

ارشادِ خداوندی ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً وَّاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۲)

اے ایمان والو! نہ کھاؤ سود دو گنا چوگنا کر کے اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ

اس آیۃ مبارکہ میں سود کی ممانعت فرمائی جا رہی ہے کہ یہ بھی مال کی ناجائز محبت کی وجہ سے وصول کیا جاتا ہے اور یہ بھی ایسا ہی نقصان دہ ہے جیسا کہ جہاد میں بے موقع غنیمت کے پیچھے پڑنا اور اپنے مورچہ چھوڑنا۔ کیونکہ اکثر قومیں سود کے بل بوتہ پر جنگیں کرتی ہیں کہ سودی روپے سے سامانِ جنگ خریدتی ہیں اور فوجوں کو تنخواہیں وغیرہ دیتی ہیں۔ مسلمانوں کو اس سے منع کیا گیا۔ یہاں

۱۔ بخاری شریف، باب الربا،

۲۔ سورۂ آلِ عمران: آیت ۱۳۶، ترجمہ: کنز الایمان۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

اس سودی نظام کو حرام کیا جا رہا ہے، جس کا اُس وقت رواج تھا کہ کسی نے ایک مدت مقررہ تک قرض لیا۔ جب وہ مدت ختم ہوئی اور قرض خواہ سے رقم کا مطالبہ کیا تو مقروض نے کہا کرتا کہ تم میعاد بڑھا دو۔ میں رقم میں اضافہ کر دیتا ہوں۔ یہ سلسلہ مدت تک جاری رہتا۔ یہاں تک کہ اصل رقم کئی گنا بڑھ جاتی، جسے سود در سود یا سود مرکب کہا جاتا ہے اس ظالمانہ نظام کو اسلام نے ختم کر دیا۔(۱)

سوال یہ ہے کہ جو لوگ ایک کاروبار میں اپنا وقت، اپنی محنت، اپنی قابلیت اور اپنا سرمایہ رات دن کھپا رہے ہیں اور جن کی سعی و کوشش کے بل پر ہی اس کاروبار کا بار آور ہونا موقوف ہے، ان کے لئے تو ایک مقرر منافع کی ضمانت نہ ہو۔ بلکہ نقصان کا سارا خطرہ بالکل انہی کے سر ہو۔ مگر جس نے صرف اپنا روپیہ انہیں قرض دے دیا ہو وہ بے خطر ایک طے شدہ منافع وصول کرتا چلا جائے۔ یہ آخر کس عقل، کس منطق، کس اصول انصاف اور کس اصولِ معاشیات کی رو سے درست ہے۔ اور یہ کس بناء پر صحیح ہے اور یہ اخلاقی اور روحانی حیثیت سے بھی سراسر حق ہے۔ معاشی و تمدنی حیثیت سے بھی۔ اگرچہ بظاہر سود سے دولت بڑھتی اور صدقات سے گھٹتی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن درحقیقت معاملہ اس کے برعکس ہے۔ خدا کا قانونِ فطرت یہی ہے کہ سود اخلاقی و روحانی اور معاشی و تمدنی ترقی میں نہ صرف مانع ہوتا ہے بلکہ تنزل کا ذریعہ بنتا ہے۔(۲)

جو صورت گزری ہے اس کی وضاحت کے لئے ذرا ہم چند سوال کرتے ہیں:

۱۔ بیمہ دار کمپنی کو جو رقم بالاقساط ادا کرتا ہے، وہ کس چیز کی قیمت ہے، جو اس نے بیمہ کمپنی سے خریدی ہے یا کون سا قرض اس نے بیمہ کمپنی سے لیا ہے، جس کی بالاقساط ادائیگی کی جا رہی ہے؟

۲۔ کیا بیمہ کمپنی کی بیمہ پالیسی مال ہے۔ یا قرض حسنہ ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ مال ہے نہ قرض حسنہ پھر ادائیگی کس لئے؟

بیمہ کمپنی والے اور بیمہ کے مویدین اسے کوئی نام دیں، مگر ہے وہ قرض، جسے بیمہ کمپنی بعد میں مع سود کے ادا کرے گی۔ گویا بیمہ کمپنی نے نقد کی بیع نقد کے ساتھ کی ہے، جسے فقہائے اسلام کی اصطلاح میں ربوٰ بالنسیہ (ادھار پر سود) کہا جاتا ہے۔

دوسری صورت میں اگر مقررہ مدت سے قبل حادثہ کی صورت میں کمپنی بیمہ دار کی ادا کردہ

۱۔ تفسیر صاوی، تفسیر کبری، تفسیر خازن، تفسیر مدارک، تفسیر بیضاوی وغیرہ۔

۲۔ تفہیم القرآن، ج اول۔

اقساط کی رقم فرض کیا بیس (۲۰) ہزار روپے سے زائد یعنی پچاس (۵۰) ہزار روپے جن پر بیمہ ہوا تھا۔ ادا کرتی ہے تو یہ تیس (۳۰) ہزار روپے زائد بغیر کسی عوض کے ہیں۔ لہٰذا فقہاء کے نزدیک اس بغیر کسی عوض کے زیادتی کی صورت میں ربوٰ بالفضل (نقد لین دین میں زیادتی) اور ربوٰ بالنسیہ دونوں پائے جاتے ہیں۔ ان نظریات کی تائید مندرجہ ذیل اقوال سے ہوتی ہے۔

الف ربا النسیة محرم فی النقود مطلقاً. نقد کی لین دین میں ربوٰ بالنسیہ مطلقاً حرام ہے۔

ب ان الزیادة الخالیة عن عوض هو مال من الربا الذی لا یخفٰی علی احد. (کسی عوض کے علاوہ جو زیادتی) مال پر دی یا لی جائے وہ ربوٰ کا مال ہے۔ اور یہ کسی پر مخفی نہیں۔

ج اجمع العلماء علی ان بیع الذهب بالذهب والفضة بالفضة ای النقد بالنقد لا یجوز الا مثلاً بمثل یدًا بید.

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ سونے کی بیع سونے کے ساتھ اور چاندی کی چاندی کے ساتھ یعنی نقد کی بیع نقد کے ساتھ ادھار پر جائز نہیں۔ ہاں اگر برابر برابر ہو اور دست بدست ہو۔ (تو جائز ہے)۔(۱)

اب ان تین اقوال کا اطلاق انشورنس کمپنی کی رقم کی ادائیگی پر کیجئے۔ مذکورہ بحث کی روشنی میں فرض کریں، بیمہ کمپنی بیمہ دار کو اصل رقم یعنی بغیر کسی زیادتی کے واپس کر دیتی ہے تو (ربوٰ بالنسیہ) یعنی ادھار پر سود ہے، جو شریعت اسلامی کی رو سے حرام ہے، جیسا کہ قول الف و جیم سے واضح ہے۔

فیه سواء : گناہ میں لینے والے اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔

قرآنِ مجید کی صریح آیت اور مذکورہ بالا احادیث کو جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور قمار اور غرر وغیرہ کی صورتوں کو سامنے رکھا جائے تو وہ موجودہ نظام انشورنس کو قطعی جائز نہیں کہا جا سکتا۔

قمار بازی:

انشورنس کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شئے اس معینہ مدت (جس میں بیمہ ہوا ہے) سے پہلے مر یا تلف ہو جائے تو اصل رقم کے ساتھ جو بونس ملے گا، اس کی شرح زیادہ ہوگی۔ (فرض کریں اس طرح پچاس فیصد ہو) اور اگر اس معینہ مدت کے بعد تک وہ بیمہ شدہ شخص زندہ رہتا ہے یا

۱۔ اعلام الموقعین، ج ۲، ص ۹۹، منیریہ قاہرہ۔

جائیداد باقی رہتی ہے تو شرح بونس کم ہوگی۔ (فرض کریں ۴۵ فیصد) جبکہ تلف ہونے کے وقت کا علم اور تعین کرنا انسان کے بس کا روگ نہیں۔ اس شرط کے تحت انشورنس کا کاروبار قمار (جوا) سے مشابہ ہے۔ ہمارے اس نظریے کی دلیل افرڈ مینز (Alfredmans) کا وہ قول ہے جو وہ بیمہ کے قواعد و ضوابط کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"ایسے معاملات میں انشورنس کے کاروبار میں شرط یا جوا کے عناصر شامل ہو جاتے ہیں۔" (۱)

قمار کے بارے میں علمائے اسلام کا قاعدہ ملاحظہ فرمایئے۔

تعلیق الملک علی الخطر والمال فی الجانبین. (۲)

قبضہ کا کسی ایسی شیء پر موقوف رکھنا جس کے ہونے اور نہ ہونے کا برابر کا احتمال ہو اور مال دونوں طرف ہو۔

قمار ایک عقد ہے، جس میں فریقین عہد کرتے ہیں کہ ان سے ایک فریق دوسرے کو مال اس شرط پر دے گا کہ دوسرا فریق کسی واقعہ معینہ کے وقوع پر ایک مقررہ رقم دے گا۔ (۳)

قرآنِ مجید فرقانِ حمید نے قمار (میسر) کو عمل شیطان کہہ کر اس سے مجتنب رہنے کا حکم دیا ہے۔ (۴)

اس لئے اگر کسی عقد میں قمار کی کوئی خصوصیت پائی جائے تو وہ عقد باطل ہوگا۔ قمار پر گفتگو کرتے ہوئے علماء نے ان کی حسب ذیل خصوصیات بیان کی ہیں۔

كُلُّ شَيْءٍ فِيهِ خَطَرٌ فَهُوَ مِنَ الْمَيْسَرِ (۵)

مَا يَتَخَاطَرُ النَّاسُ عَلَيْهِ (۶)

ان فيه اكل الاموال بالباطل و انه يدعوا كثيرا من المقاصرين الى السرقة و تلف النفسي و اضاعة العيال و ارتكاب الامور الصبيحة والرذائل التسنيحه والعداوة الكافة والظاهرة. (۷)

۱۔ انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنس، ج ۷، انشورنس۔
۲۔ مفتی علی حسن، بیمۂ زندگی۔ ۳۔ الاقتصاد الاسلامی، مطبوعہ مکہ مکرمہ، ص ۴۷۵۔
۴۔ المائدہ: آیت ۹۰، ۹۱۔ ۵۔ علامہ آلوسی: روح المعانی، ج ۲، ص ۱۱۴۔
۶۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی: الجامع الاحکام القرآن، ج ۳، ص ۵۳۔
۷۔ علامہ آلوسی: روح المعانی: ج ۲، ص ۱۱۵۔

☆ قال الشافعي رحمه الله تعالى : الفقهاء كلهم عيال ابى حنيفه فى الفقه ☆

قمار کی تحقیق:

مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ بانڈز کے انعامات کی تقسیم لاٹری کے طرز پر ہوتی ہے۔ یہ بعینہٖ قمار تو نہیں ہے، لیکن اس میں روح قمار ضروری موجود ہے۔ آیئے پہلے یہ دیکھیں کہ قمار (جوا) کیا چیز ہے۔ پھر اس کا فیصلہ ہوگا کہ اس میں قمار کی روح ہے یا قمار کا جسم؟

لوئیس معلوف قمار کا معنی لکھتے ہیں:

القمار : کل لعب یشترط فیه ان یاخذ الغالب من المغلوب شیئًا سواء کان بالورق او غیره (۱)

ہر وہ کھیل جس میں شرط لگائی جائے کہ غالب مغلوب سے کوئی چیز لے لے گا خواہ وہ چاندی ہو یا کوئی اور چیز۔

میر سید شریف رقمطراز ہیں:

القمار : کل لعب یشترط فیه غالباً من المتغالبین شیء من المغلوب (۲)

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دی جائے گی قمار ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

ان القمار من القمر الذی یزداد تارۃ و ینتقص اخری و سمی القمار قمارا لان کل واحد من المقامرین فمن یجوز ان یذهب ماله الی صاحبه و یجوز ان یستفید مال صاحبه وهو حرام بالنص و لا کذالک اذا شرط من جانب واحد. (زیلعی) (۳)

قمار، قمر سے ماخوذ ہے جو کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ، اور جوئے کو قمار اس لئے کہتے ہیں کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر ایک اپنا مال اپنے ساتھی کو دینے اور اپنے ساتھی کا مال لینے کو (شرط کے ساتھ) جائز سمجھتا ہے اور یہ نص قرآن سے حرام ہے اور اگر صرف ایک جانب سے شرط لگائی جائے تو جائز ہے۔ (اس کی تفصیل علامہ زیلعی کی عبارت میں آ رہی ہے)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

۱۔ حسین حامد حسان حکم شریعۃ الاسلامیہ فی عقود التامین اقتصاد الاسلامی، ص ۱۷۱۔

۲۔ میر سید شریف: کتاب التعریفات: ص ۷۷، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، الطبقۃ الاولیٰ ۱۳۰۶ھ۔

۳۔ علامہ ابن عابدین شامی، رد المحتار، ج ۵، ص ۳۵۵، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ : تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں

ولا خلاف بین اهل العلم فی تحریم القمار و ان المخاطرة من القمار قال ابن عباس ان المخاطرة قمار و ان اهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة و قد كان ذالک مباحاً الی ان ورد تحریمه و قد خاطر ابوبکر الصدیق المشرکین حین نزلت الم غلبت الروم وقال له النبی صلی الله علیه وسلم زده فی الخطر وابعد فی الاجل ثم خطر ذالک و نسخ بتحریم القمار ولا خلاف فی خطره الا مارخص فیه من الرهان فی السبق الدواب والابل والنصال اذا کان الذی یستحق واحدا ولا یستحق الاخران سبق و ان شرط ان من سبق اخذو من سبق اعطی فهذا باطل فان ادخلا بینهما رجلا ان سبق استحق و ان سبق لم یعط فهذا جائز و هذا الدخیل سماه النبی محللا. (۱)

اہل علم کا قمار کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور باہم شرط لگانا بھی قمار ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: آپس میں شرط لگانا قمار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مال اور بیوی کی شرط لگاتے تھے۔ پہلے یہ مباح تھا بعد میں اس کی تحریم نازل ہوئی جب سورہ روم نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے رومیوں کے ایرانیوں سے غالب ہونے پر مشرکین سے شرط لگائی تھی نبی کریمؐ نے فرمایا شرط میں زیادتی کرو اور مدت بڑھا دو پھر بعد میں اس سے منع فرما دیا اور قمار کی حرمت نازل ہوگئی۔ اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں البتہ شتر سواری، گھوڑے سواری اور نیزے بازی میں سابقیت کی شرط لگانے میں رخصت ہے، جبکہ سب سے آگے نکلنے والے کو انعام دیا جائے اور پیچھے رہنے والے کو نہ دیا جائے اور اگر یہ شرط لگائی جائے کہ دونوں میں سے جو آگے نکل جائے گا وہ لے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ دے گا تو یہ ناجائز ہے اور اگر کسی تیسرے شخص کو داخل کر دیں کہ اگر وہ آگے نکل گیا تو لے گا اور رہ گیا تو کچھ نہیں تو یہ جائز ہے۔

امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

و عن ابن سیرین و مجاهد و عطاء لکل شیء فیه خطر فهو من المیسر (الی قوله) وقال الشافعی رضی الله تعالیٰ عنه اذا اخذا الشطرنج عن الرهان واللسان عن الطغیان والصلوة عن النسیان لم یکن حراما و خارج عن المیسر لان المیسر موجب

۱۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی، احکام القرآن، ج ۱، ص ۳۲۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ۔

دفع المال او اخذ مال فلا يكون قمارا ولا ميسرا. (۱)

ابن سیرین، مجاہد اور عطاء سے روایت ہے جس چیز میں بھی شرط لگائی جائے وہ میسر (جوا) ہے امام شافعی رضی اللہ تعنہ نے فرمایا کہ جب شطرنج شرط، یاوہ گوئی اور نماز کی غفلت سے خالی ہو تو حرام نہیں ہے۔ اور میسر سے خارج ہے کیونکہ میسر مال کے دینے یا لینے کو واجب کرتا ہے۔ پس وہ نہ قمار ہے نہ میسر ہے۔

علامہ قرطبی مالکی رقمطراز ہیں:

قال ابن عباس كان الرجل فى الجاهلية يخاطر الرجل على اهله وماله فايهما قمر صاحبه ذهب بماله و اهله منزلت الاية (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک آدمی اپنی بیوی اور مال کی شرط لگاتا تھا اور جو شخص بھی اپنے ساتھی کے مال اور اہل کو لے لیتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ) (بقرہ:۲۱۹)

نیز علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

قال مالك الميسر ميسران ميسر الاهو، ميسر القمار فمن ميسر اللهو النرد و الشطرنج والملاهى كلها، و ميسر القمار ما يتخاطر الناس عليه. (۳)

امام مالک نے فرمایا میسر کی دو قسمیں ہیں میسر اللھو اور میسر القمار، میسر الھو میں نرد، شطرنج اور تمام ملاھی ہیں اور میسر القمار ہر وہ عقد ہے جس میں لوگ شرط لگائیں۔

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

كل لعب فيه قمار فهو محرم الى العب كان، وهو من الميسر الذى امر الله تعالٰى باجتنابه ومن تكرر منه ذالك روت شهادته وما خلا من القمار وهو الادب الذى لاعوض فيه من الجانبين ولا من احدهما فمنه ما هو محرم و منه ما هو مباح فا ما المحرم فالادب بالنرد وهذا قول ابى حنيفة و اكثر احصاب الشافعى و قال بعضهم

۱۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین رازی، تفسیر کبیر، ج ۲، ص ۲۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

۲۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ج ۳، ص انتشارات ناصر خسرو ایران

۳۔ ایضاً۔

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

هو مكروه غير محرم. (۱)

ہر وہ کھیل جس میں قمار ہو، وہ حرام ہے، خواہ کسی قسم کا کھیل ہو اور یہ اس میسر میں داخل ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے اجتناب کا حکم دیا ہے، اور جو شخص بار بار جوا کھیلے اس کی شہادت مردود ہو گی۔ اور جو کھیل قمار سے خالی ہوں اور یہ وہ ہیں جن میں جانبین یا کسی ایک جانب سے عوض نہ ہو، ان کھیلوں میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور اکثر اصحاب شافعی کے نزدیک نرد حرام ہے اور بعض نے کہا مکروہ ہے۔ حرام نہیں ہے۔

نیز علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

فاما الشطرنج فهو النرد في التحريم الى قوله و سائر اللعب اذا لم يتضمن ضررا ولا متغلا عن فرض فالاصل اباحته (۲)

شطرنج کی تحریم میں نرد کی طرح اقوال ہیں اور باقی کھیل جب ضرر اور فرائض میں سے غفلت سے خالی ہوں تو اپنی اصل پر مباح ہیں۔

علامہ نسفی حنفی لکھتے ہیں:

والمسابقة بالفرس والابل والا رجل والرمي جائزة و حرم شرط الجعل من الجانبين لا من احد الجانبين. (۳)

گھوڑ دوڑ، شتر سواری، پیدل چلنے اور تیراندازی میں مقابلہ کرنا جائز ہے۔ اور جانبین سے شرط رکھنا حرام ہے اور ایک جانب سے شرط رکھنا حرام نہیں ہے۔

علامہ زیلعی حنفی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

ومعنى شرط الجعل من الجانبين ان يقول ان سبق فرسک فلک على كذا و ان سبق فرسي فلي عليک كذا وهو قمار فلا يجوز (الى قوله) ولا كذالک اذا شرط من جانب واحد بان يقول ان سبقتني فلک على كذا و ان سبقتک فلا شيء لي عليک لان النقصان والزيادة لا يكمن فيهما و انما في احدهما يمكن الزيادة و

۱۔ علامہ موفق الدین ابن قدامہ، المغنی، ج ۱۰، ص ۱۷۱۔ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ۔

۲۔ ایضاً ص ۱۷۳، ۱۷۱۔

۳۔ علامہ ابوالبرکات نسفی، کنز الدقائق، ص ۳۳۵۔ محمد سعید اینڈ سنز کراچی۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

فی الأخر النقصان فقط فلا یکون مقاصرة لان المقاصرة مغاعلة منه فتقتضی ان تکون من الجانبین و اذا لم یکن فی معناه جاز استحسانا لما رویناه والقیاس ان لا یجوز لما فیه من تعلیق التملیک علی الخطر ولهذا لا یجوز فیما عدا لاربعة المذکورة فی الکتاب کالبغل و ان کان الجعل مشروطا من احد الجانبین. (۱)

جانبین سے شرط رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص یہ کہے کہ اگر تمہارا گھوڑا نکل گیا تو میں تم کو اتنے پیسے دوں گا اور اگر میرا گھوڑا آگے نکل گیا تو تم کو اتنے پیسے دینے ہوں گے۔ اور یہ قمار ہے۔ اس لئے جائز نہیں ہے اور جب شرط ایک جانب سے ہو بایں طور کہ ایک شخص یہ کہے اگر تم مجھ سے آگے نکل گئے تو مجھ پر اتنے پیسے لازم ہیں اور اگر میں آگے نکل گیا تو تم پر کچھ لازم نہیں ہے۔ کیونکہ اب نقصان اور زیادتی دونوں فریقوں میں ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ صرف ایک فریق کو نقصان اور دوسرے کو فائدہ لازم آ رہا ہے اس لئے یہ مقاصرہ نہیں ہے۔ اور مقاصرہ چونکہ باب مفاعلہ سے ہے۔ اس لئے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جانبین سے ہو اور جب ایک جانب سے شرط رکھنا مقاصرہ نہیں ہے تو یہ اس حدیث کے اعتبار سے استحساناً جائز ہے جس کو ہم بیان کر چکے۔ اور قیاساً یہ بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ اس میں ملکیت کو شرط پر معلق کرنا ہے۔ اس لئے ان چار چیزوں گھوڑے، اونٹ، پیدل اور تیراندازی کے سوا مثلاً خچر دوڑانے وغیرہ میں ایک جانب سے بھی شرط لگانا جائز نہیں ہے۔

خطر اور غرر:

خطر وہ ہے، جس کا ہونا نہ ہونا معلوم نہ ہو۔ اور غرر بھی انجام سے بے خبری کو کہتے ہیں۔ ملک العلماء ابوبکر الکاسانی فرماتے ہیں:

الغرر ما یکون مستور العاقبة (۲)

غرر وہ ہے جس میں انجام سے بے خبری ہو۔

فقہائے مالکیہ کے نزدیک:

۱۔ علامہ عثمان بن علی زیلعی: تبیین الحقائق، ج ۶، ص ۲۲۷، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان۔

۲۔ ابوبکر الکاسانی، بدائع الصنائع، ج ۳، قاہرہ ۱۹۱۰ء، ص ۶۸۔

ما تردد بین السلامة والخطف. (۱) غرر وہ شئے ہے جو سلامتی اور ہلاکت کے درمیان ہو۔

شوافع کے نزدیک:

کل ما یمکن ان یوجد و ان لا بوجد. غرر وہ شیء ہے، جس کے ملنے یا نہ ملنے دونوں طرح کے احتمالات پائے جاتے ہوں۔

بیمہ کے کاروبار میں خطر اور غرر دونوں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً بیمہ شدہ شخص یا شئے کا مدتِ معینہ سے پہلے تلف ہونا یا مرجانا، باقی رہنا معلوم نہیں ہوتا۔ اور وہ کتنی رقم پائے گا یہ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ یعنی زندہ رہا تو کم فوت ہوگیا تو زیادہ مگر موت کا گو وقت متعین ہے مگر اس کی کسی کو خبر نہیں۔ لہٰذا جس کاروبار کو زندگی یا موت سے مشروط کیا جائے وہ جوا نہیں تو کیا ہے۔ اور اس میں خطر اور غرر بھی ہیں۔ لہٰذا ایسا کاروبار حرام ہے۔

امام دارالہجرت حضرت مالک بن انسؒ اسی قسم کے ایک معاملہ کی مثال دے کر اس کا حکم لکھتے ہیں:

ان یعد الرجل الی الرجل قد خلت راحلته او دابته او غلامه ثمن هذه الاشیاء خمسون دیناراً فیقول انا اخذها منک بعشرین دینارًا فان وجدها المتاع ذهب من مال البائع ثلاثین دیناراً و ان لم یجدها ذهب البائع منه بعشرین دیناراً وهما یدریان ایضاً اذا وجدت تلک الضالة کیف مؤخذوا ما حدث فیها من امر الله مما یکون فیه نقصها و زیادتها فهذا اعظم المخاطرة. (۲)

ایک شخص دوسرے شخص۔ جس کی سواری باسامانِ سفر یا غلام گم ہوگیا ہے۔ کی اس طرح مدد کرتا ہے کہ اس کے گمشدہ چیز کی قیمت ۵۰ دینار مقرر کر دیتا ہے اور صاحب مال سے کہتا ہے کہ تیرا یہ گمشدہ مال میں تجھ سے بیس دینار میں لیتا ہوں۔ گمشدہ مال والا یہ جان کر کہ ملے نہ ملے چلو بیس دینار تو سہی قبول کر لیتا ہے۔ پھر اگر وہ اس گمشدہ متاع کو پالیتا ہے تو اس طرح وہ فروخت کرنے والے سے تیس دینار اڑا لیتا ہے اور اگر نہیں تلاش کر پاتا تو پھر بیچنے والا اس سے بیس دینار ہتھیا لیتا

۱۔ حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر، ج ۳، ص ۲۵۔

۲۔ امام مالکؒ، المدونۃ الکبریٰ، ج ۳، ص ۳۵۴، ۱۳۲۴ھ۔

ہے اور دونوں نہیں جانتے کہ جب وہ اُس گمشدہ چیز کو پائے گا تو کس طرح پائے گا، کس حال میں پائے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا اس چیز پر کیا حکم واقع ہو چکا ہے، جو اس میں نقص یا زیادتی کا موجب بن سکتا ہے۔ اس طرح کا معاملہ کرنا بہت بڑا خطر اور دھوکہ ہے۔

اس مثال میں یہی بتایا گیا ہے کہ ایسا معاملہ جس میں انجام کے اچھے یا برے دونوں طرح کے ہونے کا احتمال ہو شرعاً درست نہیں۔ ایسا ہی معاملہ انشورنس کا ہے۔ جس میں بیمہ دار کو موت کے مدت معینہ سے قبل آ جانے کی صورت میں رقم کے زیادہ ملنے کی اور زندہ رہنے کی صورت میں کم ملنے کی دونوں طرح کا احتمال ہوتا ہے اور یہ جوا ہے۔ لہٰذا حرام ہے۔

سٹہ بازی اور دھوکہ دہی:

موجودہ مروجہ نظام انشورنس میں سٹہ بازی اور دھوکہ دہی بھی ہے۔ دھوکہ دہی دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ بیمہ دار ایسا بھی کرتا ہے کہ دھوکہ دے کر اپنی جائیداد کی مالیت زیادہ ظاہر کر دی اور جب بیمہ ہو گیا تو سود کی رقم جو اس کی مملوک شی کی مالیت سے زائد تھی وصول کرنے کے لئے اس شئے کو مخفی طریقے سے تلف کر دیا۔ (۱)

ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کسی سرمایہ دار نے کارخانہ میں پڑے روئی کے ذخیرہ کا ایک کروڑ کا بیمہ کرایا۔ مگر کاروبار پر زوال آتے دیکھا تو اس ملک وملت کے دشمن نے روئی کو آگ لگا دی اور قوم سے انشورنس کمپنی کی معرفت ایک کروڑ روپیہ وصول کر لیا۔ دوسری طرف انشورنس کمپنی کا مالک سرمایہ دار ہوتا ہے، جو سبز باغ دکھا دکھا کر قوم کی دولت سمیٹتا ہے۔ اپنا ناپاک سودی کاروبار چمکاتا ہے اور لاکھوں روپے کھاتا ہے۔ مگر اس بھولے بیمہ دار کو صرف کچھ فیصد دے کر خوش کر دیتا ہے۔ دراصل یہ ایسا قاتل ہے، جس کے ہاتھ میں تلوار بھی نہیں ہوتی، اور اپنے ابنائے جنس کو اس طرح موت کے گھاٹ اتارتا ہے کہ خون کا قطرہ بھی گرنے نہیں دیتا۔ بلکہ اپنی سرمایہ داری کی قبا کو رنگنے کے لئے اسے پہلے ہی نچوڑ لیتا ہے۔ اور کبھی اس کو نقصان کا خطرہ ہوتا ہے تو اپنی زبردست عیاری سے بیمہ داروں کے سر پر ڈال دیتا ہے، جس کا خمیازہ پوری قوم بھگتی ہے۔

۱۔ مولانا اسحاق سندیلوی، سوالنامہ مع بیمۂ زندگی، مولانا ولی حسن، دارالاشاعت، کراچی۔ ۱۹۷۲ء ص ۳۰۲۔

فاسد شرائط:

موجودہ انشورنس کے کاروبار کا ایک مفسدہ اس کی فاسد شرائط ہیں۔ ایسی شرائط جن کا تعلق غرر، خطر اور جوا سے تھا۔ ان کا ذکر تو گزر چکا۔ لیکن ابھی تک ایک شرط جسے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے، جسے کوئی بھی منصف مزاج مفکر انسان دشمن ''شرط'' کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ ہے کہ ایک متوسط طبقہ کا شخص جس نے اپنے لخت جگر کا بیمہ کرایا تھا۔ ابھی ان نے چند اقساط ہی جمع کرائی تھیں کہ اس کا کاروبار زوال پذیر ہو گیا۔ اور باقی اقساط ادا نہیں کر سکا۔ اب انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کو اس کی پہلی جمع شدہ رقم واپس مل جائے۔

لیکن انشورنس کمپنی والے ایسا نہیں کرتے، بلکہ اس کی رقم سوخت کر لیتے ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت اسے واپس نہیں دلا سکتی۔ کیا یہ ظلم نہیں ہے۔

مفتی محمد شفیع تحریر فرماتے ہیں۔ تینوں قسموں کے بیموں بیمۂ زندگی۔ بیمۂ املاک اور بیمۂ فرائض میں جو شرط ہے کہ جو شخص کچھ رقم بیمہ پالیسی کی جمع کرانے کے بعد باقی اقساط کی ادائیگی بند کر دے، اس کی جمع شدہ رقم سوخت ہو جاتی ہے۔ یہ شرط خلاف شرع اور ناجائز ہے۔ قواعد شرعیہ کی رو سے ایسے شخص کو تکمیل معاہدہ پر مجبور کیا جا سکتا ہے اور عدم تعمیل کی صورت میں کوئی تعزیری سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ لیکن ادا کردہ رقم کو اس جرمانہ میں ضبط کر لینا جائز نہیں ہو سکتا۔ (۱)

البتہ کمپنی ایسے اصول بنا سکتی ہے، جن کی رو سے ایسے بیمہ دار (جو اقساط کی ادائیگی خواہ مخواہ درمیان میں بند کر دیں) کے ضرر سے بچایا جا سکے۔ مثلاً جو بیمہ دار اقساط کی ادائیگی بند کر دے۔ اس کی رقم اس کاروبار کی تکمیل کے بعد ملے گی۔ جس میں کمپنی نے اس کی (اقساط سے جمع شدہ) رقم لگا رکھی ہے۔ یا اس سے کچھ فیس برائے حفاظت رقم وصول کی جا سکتی ہے۔ ایک دوسری غیر شرعی اور ظالمانہ شرط یہ بھی ہے۔ شریعت کی رو سے کسی مورث کی جائیداد اس کے شرعی ورثاء میں ان کے شرعی حصص کے مطابق تقسیم ہونی چاہئے۔ مگر بیمہ کمپنی کا طریقہ یہ ہے کہ بیمہ دار اپنے بیمہ کی رقم جس وارث کے نام کروائے اس کو ملتی ہے۔ یہ ظلم اور گناہ ہے، جو بیمہ دار بیمۂ کمپنی کے ذریعے سے ورثاء پر کرتا ہے اور بیمہ کمپنی اپنی شرائط کی رو سے بیمہ دار کی اس وصیت یا نامزدگی کے خلاف نہیں کرتی۔ اس طرح بعض غیر شرعی حقدار اپنا حق وراثت حاصل نہیں کر سکتے۔ الغرض مندرجہ

۱۔ مفتی محمد شفیع و ولی حسن: بیمۂ زندگی، ص ۱۸۔ دارالاشاعت، کراچی: ۱۹۸۲ء۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

بالا مفاسد کی روشنی میں یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے معتدل اور صالح نظام معیشت (جس کی بنیاد اخوت و ہمدردی اور عام رفاہیت اور خوشحالی پر رکھی گئی ہے) میں موجودہ نظام انشورنس کیلئے کوئی جگہ نہیں۔ کیونکہ یہ نظام سود، قمار، دھوکہ دہی، خطر اور غرر پر اپنی طرح ڈالتا ہے۔

فاضل جلیل استاد شیخ ابو زہرہ کے الفاظ اس سلسلے میں قابل توجہ ہیں۔ فرماتے ہیں: اگرچہ انشورنس کی اصلیت تو تعاونِ محض تھی۔ لیکن اس کا انجام بھی اس ادارہ کا سا ہوا، جو یہودیوں کے ہاتھ میں پڑا۔ یہودیوں نے اسے ایسے یہودی نظام میں تبدیل کر دیا، جس میں قمار "جوا" اور ربا "سود" دونوں پائے جاتے ہیں۔(۱)

ترمیم واصلاح:

ترمیم کے رہنما اصول یہ ہو سکتے ہیں:

شرائط میں ترمیم:

یعنی غیر شرعی اور ظالمانہ شرائط کو اسلامی شرعی اصولوں کی روشنی میں تبدیل کر دیا جائے۔ مثلاً

الف یہ شرط کہ اگر بیمہ دار بیمہ کی تکمیل سے قبل ہی فوت ہو جائے تو زیادہ شرح منافع (بونس) اور اگر تکمیل مدت کے بعد تک زندہ رہے تو کم شرح منافع غرر اور خطر ہے۔ اس میں ترمیم یوں کریں گے کہ رقم مع منافع دونوں صورتوں میں یکساں ملے گی۔ اس طرح غرر اور خطر دونوں کے ناجائز اثرات زائل ہو جائیں گے۔

ب بیمہ دار اپنے خاندان کے جس فرد کے نام بیمہ کر رہا ہے، اس کی موت کے بعد وہ رقم اسی کو ملتی ہے، کسی اور کو نہیں ملتی۔ لہٰذا اس کے دیگر ورثاء اگر ہوں تو وہ محروم رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ ناجائز اور ظلم ہے۔ اس میں ترمیم یوں کی جاسکتی ہے باپ کو کہا جائے کہ تمام ورثاء کے لئے اس رقم کا بیمہ کرائے تاکہ اس کی موت کے بعد وہ رقم تمام ورثاء کو ملے جسے وہ اپنے شرعی حصص کے مطابق تقسیم کریں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بیمہ کمپنی والے بیمہ دار کی موت کے بعد وہ رقم خود اس کے ورثاء میں شریعت مطہرہ کی ہدایات کے روشنی میں تقسیم کر دیں۔ دوسرا طریقہ زیادہ موزوں اور بے غبار ہے

۱۔ لواء الاسلام، مجلد از ہر شریف، بحوالہ مفتی ولی حسن: بیمۂ زندگی: ص ۳۴، کراچی ۱۹۷۲ء۔

کاروبار کے طریقۂ کار میں ترمیم:

اس کاروبار کو سود سے پاک کیا جائے۔ جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ بیمہ داروں کو اس کی رقوم پر ایک مقررہ شرح سود دینے کے بجائے انہیں مضاربت اور شرکت کے شرعی تجارتی طریقوں کی روشنی میں کاروبار میں شریک کیا جائے اور نفع ونقصان میں آن کے اموال کی نسبت کے مطابق انہیں شامل کیا جائے۔ اس طریق کار میں بیمہ داروں کو زیادہ سے زیادہ نفع ہوگا۔ آج کل انشورنس میں سرمایہ کاری کا جو طریقہ رائج ہے، اس کے اعتبار سے مضاربت یا شرکت عنان کا طریقہ بہتر ہے۔ یہاں ہم مختصراً مضاربت کے تجارتی طریقہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔

مضاربت:

اس کاروبار کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک فرد یا چند افراد سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔ سرمایہ سرمایہ دار کو اصطلاحِ فقہ میں رب المال کہتے ہیں۔ دوسرا شخص یا کمپنی اس مال سے سرمایہ کاری کرتا ہے۔ اصطلاح فقہ میں محنت یا کاروبار کرنے والے کو مضارب کہا جاتا ہے۔ سالانہ نفع میں سے اصل سرمایہ دار کو اور محنت کرنے والے کو ایک خاص نسبت سے حصہ دیا جاتا ہے۔ فرض کریں۔ اصل سرمایہ دار کو ۳/۱ اور محنت کرنے والے کو ۳/۲ حصہ ملے گا اور اصل رقم اصل سرمایہ دار کی ہوگی۔ نقصان کی صورت میں نقصان سارے کا سارا اصل سرمایہ دار برداشت کرے گا۔ کیونکہ مضارب کی محنت ضائع ہوگئی اور اصل سرمایہ دار کا سرمایہ

۲۔ مضارب کو جو رقم کاروبار کے لئے دی جائے، وہ اس رقم کو آگے کسی دوسرے فرد کو مضاربت یا شرکت پر کاروبار کے لئے دے سکتا ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک مضارب کو ایسا کرنے کے لئے اصل سرمایہ دار سے اجازت لینا پڑتی ہے کہ وہ رقم آگے کاروبار پر دے سکتا ہے یا نہیں۔ اور بعض کے نزدیک اجازت ضروری نہیں بہرحال مضارب کو ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ انشورنس کمپنیاں جو رقم اکٹھی کرتی ہیں وہ انہیں آگے کاروبار کے لئے مضاربت کی شکل میں دے سکتی ہیں۔

۳۔ جب مضارب اس رقم کو دوسرے شخص یا کاروباری ادارے کو دے گا تو اس کے ساتھ اپنی نئی شرائط طے کرے گا۔ یعنی وہ جس شخص کو رقم دے رہا ہے، اس سے کتنا فیصد منافع لے گا؟

وغیرہ۔ فرض کریں یہاں صاحب المال کا ۱/۴ اور مضارب کا ۳/۴ طے ہوتا ہے۔ لیکن اس مضارب کا جو (جو اب رقم آگے کسی دوسرے کو کاروبار کے لئے دے رہا ہے) معاہدہ پہلے صاحب المال سے ہو چکا ہے۔ اس کا اس نئے کاروبار میں دخل نہیں۔ وہ تو اس سے پہلے مضارب سے اپنا طے شدہ حصہ منافع میں سے لے گا۔

۴ حساب کتاب مال ختم ہونے کے بعد ہوگا۔ اور اگر فریقین چاہیں تو حساب کتاب کے بعد کاروبار جاری رہے گا۔ منافع کی تقسیم کرتے وقت پہلے سارا نقصان منہا کیا جائے گا اور باقی جو بچے گا وہ مقررہ تناسب سے تقسیم ہوگا۔ (۱)

جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

المضاربة عقد يقع على الشركة بمالٍ من احد الجانبين و مراده الشركة في الربح وهو يُستحق بالمال من احد الجانبين والعمل من الجانب الاخر ولا مضاربة بدونها الا ترى ان الربح لو شرط كله لرب المال كان بضاعةً ولو شرط جميعه للمضارب كان قرضًا (۲)

اور اس عقد کی لوگوں کو حاجت ہے۔ کیونکہ انسان مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض مالدار بعض تنگدست، یعنی مال والوں کو کام کرنے کا طریقہ نہیں ہوتا۔ تجارت کے اصول و فروغ سے ناواقف ہوتے ہیں اور بعض غریب کام کرنا جانتے ہیں مگر ان کے پاس روپیہ پیسہ نہیں۔ لہٰذا تجارت کیونکر کریں۔ اس عقد میں یہ مصلحت ہے کہ امیر و غریب دونوں کو فائدہ پہنچے۔ مال والا روپیہ دے اور غریب آدمی اس کے روپے سے کام کرے۔

(جاری ہے)

۱۔ مضاربت کے شرعی اصول کا یہ خلاصہ ہم نے عبدالرحمٰن الجزری کی کتاب ''الفقہ علی مذاہب الاربعہ'' کی جلد ''قسم المعاملات'' باب ''المضاربت'' سے نقل کیا ہے۔ تفاصیل کے لئے چاروں مذاہب کی کتب کا مطالعہ مفید ہوگا۔

۲۔ ہدایہ: ج ۳، الناشر: مکتبہ شرکت علمیہ بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان۔ ص ۲۵۷۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ: ☆ قانون شریعت ہی کا دوسرا نام فقہِ اسلامی ہے ☆